© rasailojaraid.com

جنرل (ر) حمید گل

کیمپ ڈیوڈ کے سائے

ملت اسلامیہ کو ایک اور کیمپ ڈیوڈ کا سامنا ہے اور اس بار ملت کے سب سے طاقتور ملک کو' لیکن اس حالت میں کہ قیادت امریکی ناراضگی کے امکان سے خوفزدہ ہے۔تمام اختیارات فردِ واحد کے ہاتھ میں ہیں، ملک کی اجتماعی دانش کے سامنے نشانِ منزل مفقود اور سیاسی وحدت پارہ پارہ ہے۔ان حالات میں قوم کا ہر ذی شعور فرد اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو جائے تو کوئی تعجب نہیں۔لیکن قائد مصر ہے کہ وہ تن تنہا کیمپ ڈیوڈ کے طوفانِ بلاخیز سے نمٹ سکتا ہے......قوم سے کٹ کر......اس کے شب بیداروں کی دعاؤں سے محروم ہو کر......سنجیدہ، ٹھوس اور بے باک مشاورت کے بغیر۔یاد رہے کہ تنخواہ دار مشاورت ایسے اوصاف کی حامل نہیں ہوا کرتی۔ ہر چند کہ ان اداروں میں کسی نہ کسی طور پر مشاورت کا انتظام بھی موجود رہتا ہے۔

بلا شبہ فرد واحد نے آگرہ میں کمال استقامت کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے لیے قوم سے داد بھی پائی تھی۔لیکن وہ گیارہ ستمبر سے پہلے کی بات اور کیمپ ڈیوڈ بھارت میں نہیں' امریکہ میں واقع ہے۔یہاں تو ''معاملہ سخت اور جان عزیز'' کا مرحلہ درپیش ہے۔کیمپ ڈیوڈ کی داستان بھی تو بڑی دلخراش ہے۔انوارالسادات جان اور ایمان دونوں سے گئے' لیکن جمال عبدالناصر کا عظیم مصر ابھی تک سنبھل نہیں سکا۔یاسر عرفات حالتِ نزع میں ہیں اور ٹونی بلیئر برطانوی قوم کے لیے شرمندگی کا اتنا سامان جمع کر چکے ہیں کہ دھونے میں صدیاں لگ جائیں گی۔

یہ زمانہ تو امریکن روڈ میپ کا ہے' جس کا دیا ہوا ہر روڈ میپ تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔پاکستان کے لیے تو روڈ میپ ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا' لیکن اس کی موجودگی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔خفیہ سفارت کاری عرصہ سے جاری ہے۔جس کے پردے میں کمزور قوموں کے خلاف جرائم ہی پروان چڑھا کرتے ہیں۔ہم کمزور قوم ہرگز نہیں' لیکن ضروری نہیں کہ کمزوری اسباب میں ہو۔اصلاً کمزوری اعصاب میں ہوا کرتی ہے......لیڈروں کے اعصاب میں نہ جانے ہمارا روڈ میپ کن راہوں سے گزار کر ہمیں کہاں تک لے جائے گا۔لیکن ایک بات واضح ہے کہ یہ تخلیق پاکستان کے خوابوں، آرزوؤں اور قوم کی خواہشات کا عکاس نہیں ہوگا۔کچھ رنگ تو اس روڈ میپ میں پہلے ہی بھرے جا چکے ہیں۔

☆افغانستان میں بھارتی اور اسرائیلی انٹیلی جنس کے ڈیرے پڑ چکے ہیں۔کوئٹہ کی واردات کو اس پس منظر میں دیکھنے کی کافی گنجائش موجود ہے۔

☆کشمیر پر ہمارے دیرینہ مؤقف میں قابل ذکر تبدیلی آ چکی ہے اور ابھی بات چیت شروع بھی نہیں ہوئی

☆جہاد اور دہشت گردی کے جس فرق پر ہم شدت سے اصرار کیا کرتے تھے' اس سے تائب ہو چکے ہیں۔

☆لائن آف کنٹرول کے تقدس (امریکن اصطلاح) کو ہم نے دل و جان سے تسلیم کر لیا ہے۔

☆اسلام کی روشن خیال مغربی تشریح پر ہماری آمادگی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوال یہ ہے کہ کیمپ ڈیوڈ میں ہم سے اور کیا تقاضے ہوں گے؟ کیونکہ ہر بار ان کا ایک ہی جملہ سامنے آتا ہے ''آپ کو مزید کچھ کرنا ہے''(You have to do more) اس more سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیا عراق میں امن قائم کرنے کے لیے فوجی دستوں کی فراہمی، ایران کے خلاف امریکی پلان میں افغانستان کی طرز پر معاونت؟ نفاذ شریعت کو روکنے کا عہد؟ یا اور کچھ بھی......اور یہی تو اصل تقاضا ہے' سب تقاضوں کی ماں یعنی جوہری صلاحیت کی نگرانی؟ کنڈولیزا رائس نے حال ہی میں فرمایا ہے ''ہم ہر اس طاقت کو کچل دیں گے' جو اسرائیل کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔''

کیا ہم کیمپ ڈیوڈ سے کچھ وصول کر سکتے ہیں؟ بظاہر اس کا امکان قوی ہے۔ ہماری گرانقدر خدمات اپنی جگہ لیکن وہ تو قصہ پارینہ ہو چکیں۔ یاد کریں گیارہ ستمبر کے فوراً بعد جنرل محمود کو رچرڈ آرمیٹج نے کہا تھا ''ماضی کو بھلا دو' تاریخ آج سے شروع ہو رہی ہے۔'' 1.8 ارب کے قرضوں کی معافی تو ہو جائے گی' لیکن پاکستان کے دس ارب ڈالر کا اقتصادی نقصان' جو سنٹرل کمانڈ نے خود تسلیم کیا ہے' اس کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ پاکستان کا تو اور بھی بہت نقصان ہوا' جس کا معاوضہ بھلا کون دے سکتا ہے۔ کچھ فاضل پرزے اور کچھ روایتی ہتھیار البتہ ضرور مل جائیں گے' لیکن اس قدر نہیں کہ امریکہ کے سٹریٹجک پارٹنر بھارت سے کسی طرح کی مسابقت ہو سکے۔

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ ''کچھ مزید''(do more) کی گردان پر اگر مزاحمت دکھائی گئی اور ایسا بالکل ممکن ہے تو معاملات کو کیسے سنبھالا جائے گا؟ اس کا ایک حل ہے' جائز اور جمہوری حل' جسے امریکن بخوبی سمجھتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ منتخب پارلیمنٹ موجود ہے' جو گیارہ ستمبر کو نہیں تھی۔ جس کے سامنے تمام معاملات رکھے جا سکتے ہیں۔ عراق کے خلاف جنگ میں ترکی نے یہی طریقہ اختیار کیا اور نقصان کے بغیر سرخرو ہو گیا۔ لیکن کیمپ ڈیوڈ میں سوال اٹھایا جائے گا کہ آپ کی پارلیمنٹ کی حیثیت آپ سے بالاتر تو نہیں۔ لہٰذا یہ جواز ناقابل قبول ہے۔ ایسی صورت میں ایک متبادل غور طلب ہے:

☆ اوّل تو جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کیا جائے اور اگر دباؤ برداشت نہ ہو سکے تو معاہدوں کی توثیق کا موجودہ طریق بدل دیا جائے' یعنی توثیق کے لیے منتخب پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت ضروری قرار دی جائے اور اس کے لیے کم از کم تین سال کی میعاد مقرر کی جائے۔ فی الحال ہمارا معاہدوں کی توثیق کا طریقہ بہت ناقص ہے۔ حکومت وقت معاہدے کرتی ہے اور وہی توثیق بھی۔ جیسا کہ کیمیاوی ہتھیاروں کے کنٹرول (سی ڈبلیو سی) اور تجارتی معاہدوں (ڈبلیو ٹی او) کے ضمن میں ہوا۔ نواز شریف حکومت کے پہلے دور میں سرکاری افسروں نے چپکے سے سی ڈبلیو سی پر دستخط کیے اور دوسرے دور میں جاوید ہاشمی نے توثیق کے کاغذات پر مہر ثبت کر دی۔ دونوں وقت پارلیمنٹ موجود تھی لیکن معاہدے پر بحث تو درکنار کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔ رہا قومی مفادات کا معاملہ' تو سب کو یاد ہو گا کہ موجود اور نواز شریف حکومت کس شد و مد سے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کو قومی مفاد کے لیے ضروری قرار دیتی تھی لیکن امریکہ کا دباؤ ہٹا تو قومی مفاد بھی بدل گیا۔

میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ کیمپ ڈیوڈ کی ملاقات سے پہلے جہاں پیش بندی کے دوسرے اقدامات ضروری ہیں' وہاں توثیق کے طریقہ کو بدلنا بھی اہم ہے' چاہے اس کے لیے ایک آرڈی نینس ہی جاری کیوں نہ کرنا پڑے۔

© rasailojaraid.com